

پگھلی دوپہریں

صبا بردت

پگھلی دوپہریں

صبا بردت

صابر دت

پل دو پل

ترتیب:
جے۔ ایل۔ دگّل

تین مورتی پبلیکیشنز، پوسٹ بکس ۳۱۷۰، نئی دلی

پہلا ایڈیشن : ۱۹۶۶ء

قیمت : ایک روپیہ

الہ آباد پریس، چاوڑی بازار، دہلی

اوم اور یوگ کے نام ——————

—————— جنھوں نے انکشاف کیا۔

زندگی حسین ہے اس سے عشق کرو۔

صابر دت

شاعر صابر دت

میرا شبہ صحیح تھا، وہ واقعی شاعر نکلا۔

شاید ایک سال گذرا، ایک لاابالی سا نوجوان میرے پاس آیا۔ ایک ایسی عقیدت کے ساتھ جس میں بے نیازی کی ہلکی ہلکی لہر بھی شامل تھی وہ مجھے آداب بجا لایا اور بولا "فکر صاحب! میں نے ہندی کا ایک رسالہ نکالا ہے، آپ اپنا ایک طنزیہ مضمون عنایت فرمائیے۔ وجہ یہ ہے کہ میں ایک ایسے رسالے کا ایڈیٹر کہلانا چاہتا ہوں جس میں حسنِ وقار اور وقارِ حسن دونوں ہوں۔"

چونکہ میں مرنجان مرنج ادیب ہوں اس لئے میں نے رسماً اور عادتاً حامی بھرلی، حالانکہ حقیقتاً میں اسے نصیحت وغیرہ دیکر مایوس کرنا چاہتا تھا کہ نوجوان! کیوں اپنے شباب کی بلی دینے پر تلے ہوئے ہو، کسی ہارڈویر کی فرم میں نوکری کرلو اس کے بعد شادی پھر بچے، اور اس کے بعد زندگی کی بلی دے ڈالو، تو اس سے سماج کو بڑی مسرت ہوگی۔"

لیکن میں نے محسوس کیا جیسے اس نوجوان کی افلاس زدہ کشادہ پیشانی میں کوئی ہلکی ہلکی سی بغاوت سر اٹھا رہی ہے، اس کی آنکھوں میں کچھ ایسی اجنبی سی روشنیاں ہیں جیسے کوئی الھڑ دوشیزہ کچی نیند سے جاگی ہو اور اپنی نیم وا آنکھیں

مل مل کر کھوں رہی ہو، آواز میں حیات کی تڑپ اور لہجہ میں عزم کی نرم و گرم سی
ضد ہو۔ بیک وقت شرمیلا اور بے باک تھا مگر اس حجاب کے پیچھے ایک
اعتماد اور اس بے باکی کے پیچھے ایک خواب سا جھانک رہا تھا۔

لہذا میں اسے نصیحت نہ کر سکا، کیونکہ مجھے ڈر تھا کہ میری نصیحت عامیانہ
حیثیت اختیار کر جائے گی اور یہ نوجوان عامیانہ چیز کا اہل نہیں ہے۔

اس کے بعد وہ نوجوان مجھے چھ ماہ تک نظر نہ آیا۔ بے قرار روح تھی، بجانے
کہاں کہاں بھٹکتی پھری۔

اس کے بعد وہ دو چار مرتبہ مجھے ملتا رہا۔ شاید اس نے اس رسالہ کی کئی اشاعتیں
بھی نکالیں۔ رسالے میں اس کا حسن نظر مجھے جھلکتا دکھائی دیا، لیکن مجھے تسلی نہ ہوئی
مجھے بار بار شک ہوتا رہا کہ اس نوجوان میں کوئی ایسی غیر معمولی صلاحیت ہے جسے
یا تو وہ مجھ سے چھپا رہا ہے اور یا اس کی صلاحیت خود اس سے بھی پوشیدہ ہے۔
رسالہ نکالنا اور اس کا ایڈیٹر کہلائے جانا تو ایک عامیانہ سا فعل ہے اور اس عامیانہ
فعل کے لئے یہ پیدا نہیں ہوا۔

میں اسے بھول گیا۔ اس سماج میں کتنے ہی نوجوان اپنی ذہانت کی لاشیں
کندھے پر رکھے گھومتے رہتے ہیں، کس کس کو یاد رکھا جائے۔

لیکن اکتوبر کی ایک سہانی شام کو وہ مجھے پھر مل گیا، اور بالکل اسی شرمیلے
مگر بے نیازانہ لہجہ میں کہنے لگا: "میں نے ایک نظم لکھی ہے"۔

"نظم؟ یعنی تم شاعر ہو؟"

"یونہی سا۔ بے تکی سا۔ سناؤں؟"

میری دل چسپی بڑھ گئی اور اس نے بالکل نثر کے سے انداز میں اپنی نظم سنانا شروع کی۔

رات آتے ہی مجھے خود سے بھی ڈر لگتا ہے
تیرگی بڑھتی ہے اور روح پہ چھا جاتی ہے
لیکن ایسے میں دبے پاؤں تو آ جاتی ہے
روز آتی ہے تخیّل کے حسیں سائے میں
جان پڑ جاتی ہے ہر ایک حزیں سائے میں

اور نظم سن کر مجھے اچنبھا نہیں ہوا کیونکہ صابر دت کی وہ صلاحیت جس کے نقوش مجھ پر ابھی واضح نہیں ہوئے تھے، اب میرے سامنے شعر بن کر آ گئے تھے، میرا شک صحیح تھا، صابر دت دراصل شاعر تھا، ایڈیٹر ہونا اس کا ضمنی مزاج تھا۔

اور جب میں نے صابر دت کے اندر کا شاعر دریافت کر لیا تو صابر دت کی جھجک بھی دور ہو گئی اور اس کے بعد قریب قریب ہر ملاقات میں مجھے اس کی نظمیں سننے کو ملیں۔ اس کی شاعری میں میری دل چسپی بڑھتی گئی۔ کیونکہ مجھے محسوس ہوا کہ اس کا لب و لہجہ عام شاعرانہ راستے سے کچھ ہٹا ہوا ہے۔ اس کے محسوسات میں انفرادیت ہے۔ وہ زندگی کی ہر کیفیت کو صرف اپنے محسوسات کی آنکھ سے ہی دیکھتا ہے۔ اس نے یہ آنکھ مستعار نہیں لی، بلکہ یہ آنکھ اس کی اپنی زندگی کے پس منظر نے تخلیق کی ہے۔ ایسی آنکھ ہر ایک کو کہاں ملتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب میں اس کے شعر سنتا ہوں تو مجھے ان میں صداقت کا عنصر سب سے نمایاں نظر آتا ہے، صداقت جو ہر آرٹ کی بنیادی صفت ہے اور صابر دت نے اس صداقت کو رومانوی رنگ دے کر پرکشش اور خوبصورت اور مؤثر بنا دیا ہے۔

آپ اس کی نظمیں، غزلیں اور قطعے پڑھئے۔ آپ کو ان کے ہر مصرع کی تہوں میں

ایک نوجوان تلملاتا ہوا نظر آئے گا، جو اتنے بڑے سماج میں بھی تنہا ہے۔ ایک غیر مطمئن نوجوان، جو کچھ کرنا چاہتا ہے مگر کر نہیں سکتا اور جو کچھ کرتا ہے اس پر بھی غم زدہ رہتا ہے۔ اس سماج سے اس کا رشتہ صرف غم کا رشتہ ہے۔ اداسی تھکن اور بے بسی کا رشتہ ہے۔ یہ سماج اس کے غموں اور اداسیوں کی پرواہ نہیں کرتا بلکہ اس کی گردن میں پھندے ڈال کر اسے اپنی طرف کھینچتا اور اپنی غلامی پر مجبور کرتا رہتا ہے۔ مگر یہ نوجوان یاد جو اداس اور غم زدہ ہونے کے بھی بغاوت کرتا ہے، اس پھندے سے نکلنے کے لئے پھڑ پھڑاتا ہے اور اس سے بھاگ کر اپنے تخیل کی حسین وادیوں میں جا کر پناہ لیتا اور وہاں کوئی رنگ اور نغمے کی ایک دنیا آپ ہی تخلیق کرکے اس میں کھو جاتا ہے، اور کہہ اٹھتا ہے۔

کون آ گیا ہے وقت کی دیوار پھاند کر
وادی میں گیت گونج اٹھے آبشاروں کے

کس کا تخیل ہے میری تنہائی میں
گیسوؤں سے صبا چھیڑ کرنے لگی
کس کی آواز کی پھیلی ہے روشنی
ہر قدم پر چراغ ایک جلنے لگا
گرد تاروں کی پاؤں پہ جمنے لگی
درد کی ندی بہہ بہہ کے تھمنے لگی
گیت آگئے گئے گیت چنتا گیا
جال یادوں کے تیری میں بنتا گیا

آپ نے دیکھا، صابر دت کی نظموں کا ہیرو وہ اداس مگر باغی نوجوان اپنے لئے

کیسی خوبصورت دنیا تخلیق کر لیتا ہے اور اس کے مقابلے پر سماج کی دنیا کتنی بھدی اور بدصورت دکھائی دیتی ہے اور اس کے شعر سنکر یوں لگتا ہے، جیسے صابردت کہہ رہا ہو۔ سماج کے خداوندو! میں تمہاری غلامی کیوں قبول کروں، کیونکہ میں تو خود آقا ہوں، میں تو تم سے بھی کہیں زیادہ دلپذیر اور پیاری پیاری دنیا پیدا کر سکتا ہوں اپنی دنیا سے میری دنیا کا مقابلہ کر کے دیکھ لو کہ کیا ایسی دنیا کا خالق تمہاری غلامی قبول کر سکتا ہے۔ اس لئے یا تو اپنی دنیا کو بھی میری دنیا کی طرح حسین بنا دو، ورنہ تم اپنی دنیا میں مست رہو میں اپنی دنیا میں۔ کیونکہ تم مجھ سے میری یہ دنیا چھین نہیں سکتے، مانا کہ میری دنیا میں غم ہے، یاس ہے، اداسی ہے مگر میرا یہ غم تمہاری مسرتوں سے زیادہ حسین اور دلآویز ہے۔

ہاں، صابردت کی نظموں کا ہیرو ہمارے آج کے سماج کا وہ نوجوان ہے جو اپنے حال سے غیر مطمئن اپنے مستقبل کی خوابناک دنیا میں بس رہا ہے، صابردت اسی نوجوان کا نمائندہ ہے۔ اور چونکہ یہ نوجوان بھی اپنی طرز کا منفرد نوجوان ہے اس لئے صابردت کی شاعری بھی منفرد ہو گئی ہے۔ لہجہ میں بھی، اسلوب میں بھی اور نقطۂ نظر میں بھی۔ اور مجھے یقین کی حد تک خیال ہے کہ صابردت اگر اپنی شاعری میں حسن اور بیان، اور زبان کے ظاہری حسن کو اپنے لاابالی پن سے قدرے بچا بچا کر لے جاتا رہا تو وہ ایک دن شاعروں کی اگلی صفوں کی طرف بڑھتا ہوا دکھائی دیگا۔

فکر تونسوی

اپنی بات

میں ایک نوجوان کو چتر گپتا روڈ کے ایک سہ منزلہ کوارٹر کی سیڑھیوں پر اکثر گئی رات کو گنگناتے ہوئے پڑھتا دیکھتا تھا۔ ایک دن مشہور طنز نگار فکرؔ صاحب کو اسی کوارٹر کی سیڑھیوں سے اترتے دیکھا تو مجھ سے رہا نہ گیا۔ میں نے پوچھ ہی لیا۔ "ادھر کہاں؟" "یہاں اردو کا ایک نوجوان شاعر صابر ؔدت رہتا ہے۔" مجھے جواب ملا۔ پھر آہستہ آہستہ ملاقاتوں کا سلسلہ بڑھنے لگا۔ اور اس نئی پود کے شاعر کی کچھ غزلیں اور قطعے سننے کا موقع ملا۔ صابرؔ صاحب کی غزلوں اور نظموں میں جو خیالات ملتے ہیں وہ بہت کم شاعروں کے یہاں دیکھنے میں آتے ہیں۔ ان کی قریب قریب ہر غزل اور ہر نظم یا ہر قطعہ نئے پن کے اعتبار سے ایک خاص حیثیت رکھتا ہے۔

میری خواہش تھی کہ صابرؔ دت کا مجموعہ شائع ہو۔ اس خواہش کی وجہ میری اردو سے محبت تھی۔ میں ظفرؔ ادیب صاحب کا شکر گذار ہوں کہ انہوں نے صابرؔ صاحب کے کلام کو نوک پلک سے سنوارا۔ میں جناب فکرؔ تونسوی کا بیحد شکر گذار ہوں کہ انہوں نے مجموعے کا دیباچہ لکھ کر صابرؔ صاحب کی شاعری کو قابل قدر ماننے پر مجبور کر دیا۔ مجھے امید ہے کہ میری طرح صابرؔ صاحب کی شاعری سے اس کے بہت سے پڑھنے والے متاثر ہوں گے، اور میری خواہش جیسا میں چاہتا ہوں پوری ہو جائے گی۔

جے۔ ایل۔ دگلؔ

پونم کی رات

پونم کی رات آ گئی تو بھی تو آ ندیم
آواز دے رہا ہے، تجھے ذرّہ ذرّہ آج
بیتے دنوں کی یادیں کھو یا ہُوا ہوں میں
تیرے بغیر ڈس رہی ہے چاندنی مجھے
آ، ورنہ مجھ سے چھین لے میرا اُداس ذہن
یا میری یاد سے مرا ماضی تراش دے
بے پر ہو، آج میرے تصوّر کی آرزو
میرے خیال کو نہ رہے، اڑنے کا خیال
چہروں پہ ٹھہر جائے نہ زلفوں میں پھنس سکے
منزل کی دُھن رہے نہ کوئی راستہ ملے
ہر اِک مقام پر نہ مجھے میرا پتہ ملے
میری نگاہ کو نہ کوئی آسرا ملے

دنیا سے واسطہ نہ رہے میرے ذہن کو

یادوں کے سائے بھی نہ رہیں میرے ذہن میں

ہر وقت آج آج رہے کل نہ بن سکے

ہمدردوں سے میرے حال کے ماضی نہ چھن سکے

تو مجھ کو بھول جائے اور میں تجھ کو بھول جاؤں

پونم کی رات آگئی تو بھی تو آ ندیم!

تیری یاد

تیری یاد آتے ہی
میرا دل سنبھل گیا
میری رات تھم گئی
میرا دن بدل گیا

چھپ گئی ہے کہکشاں
نیند میں ہے آسماں
راہ بھولا کارواں

آ رہی ہے چاندنی
چھا رہی ہے چاندنی
گا رہی ہے چاندنی

ماہ پرستاروں پہ

حسن کی بہاروں پر
دل کی رہ گذاروں پر
گاتے آبشاروں پر
دلربا نظاروں پر
ایک کیا ہزاروں پر

دل کہیں مچلتا ہے
دل کہیں سنبھلتا ہے
اک حسین وادی میں
توڑتا ہے ریت کوئی
جوڑتا ہے گیت کوئی

لب پہ "آج، آج" ہے
کیسا یہ رواج ہے
کیسی ہے یہ زندگی
تو بھی آکے دیکھ لے
تیری یاد آ گئی

وقت

نہ بھلا سکا انہیں لمحہ بھر
نہ میسر آیا وصال بھی
ہوئے اپنے آپ سے بے خبر
نہ دکھایا اس نے جمال بھی

رہے اجنبی دلِ زار سے
کبھی ہو سکے نہیں آشنا
انہیں کیا ہمارے قرار سے
وہ ہمارے درد کو جانیں کیا

وہ زمانہ اور تھا جب کہ ہم
نہ تھے ان کو ایسے بھی اجنبی
جو تھا غم ہمارا تھا ان کا غم
کسی طور الگ نہ تھی زندگی

ہمیں وقت نے کیا اجنبی
کرے، ایسی چاہ کو بے نشاں
ہوئی ہے مجال یہ وقت کی
وہ بدل سکا ہے ہمیں کہاں

رہے ہم وہی رہا دل وہی
نہ کوئی بھی ہم میں بدل سکا
ملا وقت پوچھوں گا میں یہی
ہوئے ہیں وہ ہم سے پھر اجنبی

تنہائی

اپنی یاد لیتی جاؤ
اب نہ رکھ سکوں گا میں
اس کو میری تنہائی ساتھ رکھ نہیں سکتی
مجھ کو میری تنہائی بار بار کہتی ہے
اس کا میرا رشتہ کیا
اس سے میری بن پائے یہ کبھی نہیں ممکن
رات دن بگڑتی ہے
لڑتی ہے جھگڑتی ہے

جانتی ہو میں لیکن اس کے بس میں رہتا ہوں

رات پھر یہ جھگڑا تھا

لاکھ اس کو سمجھایا

آ پڑی ہے ضد ایسی

کہہ اٹھی تھی، جھلّا کر

مانتے نہیں تو پھر تم سے دوستی کیسی

اتنا وہ بگڑتی ہے جتنا اس کو کہتا ہوں

لیتی جاؤ اپنی یاد

اب نہ رکھ سکوں گا میں

اپنی یاد لیتی جاؤ

رات اور دن

اُمڈ پڑے ہیں شام کے سائے
پھیل گئی ہے کالی چادر
میں بستر پر آ لیٹا ہوں

جانے کیوں میں ڈرنے لگا ہوں
جانے کیوں میں کانپ اٹھا ہوں
درد دیا ہے میں نے کوئی
قتل کیا ہے میں نے کوئی

برسوں سے رہتا ہوں یہاں پر
ہر دکھ سکھ سہتا ہوں یہاں پر
کوئی یہاں انجان نہیں ہے
کس سے مری پہچان نہیں ہے

ملتے تھے اس پیڑ کے نیچے
ایسے جیسے کئی جنموں سے
لیکن اب ڈر لگتا ہے اکثر
دور ہو یہ میرا ڈر کیوں کر
لیٹا ہوا یہ سوچ رہا ہوں
رات کے گیسو نوچ رہا ہوں
اپنے آپ سے الجھ رہا ہوں
اپنا تجھ کو سمجھ رہا ہوں
دیکھتا ہوں ایسے خوابوں میں
جیسے کنول ہوں تالابوں میں
برسوں سے تو کھوئی ہوئی ہے
کسی محل میں سوئی ہوئی ہے
اب بھی تیرا خیال آتا ہے
لب پر پھر وہ سوال آتا ہے

اب تو مجھ سے دُور نہیں ہے
غیر کے گھر کا نور نہیں ہے
تیرے گیسو پاس ہیں میرے
میرے نغمے گیت ہیں تیرے
جانے کب سے جُھوم رہا ہوں
اپنے آپ میں جھوم رہا ہوں

امڈ پڑے ہیں شام کے سائے
پھیل گئی ہے کالی چادر
میں بستر پر آ لیٹا ہوں

بیتی رات ہوا ہے سویرا
در پر ہے دنیا کا ڈیرا
بھُول گیا شب کا ہنگامہ
پہن کے پھر انسان کا جامہ
سڑک پہ دیکھو ٹہل رہا ہوں

اجنبی

اجنبی رہنے دے مجھ کو، مجھے اپنا نہ بنا

میں تری مانگ ستاروں سے نہیں بھر سکتا

رشتۂ حرص و ہوس تجھ سے نہیں کر سکتا

میری بے رنگ فضاؤں میں کہاں شام و سحر

میرے تاریک گھروندے میں کہاں تیرا گزر

مجھ بیاباں سے گلستانوں کی امید نہ کر

اجڑی دنیا سے شبستانوں کی امید نہ کر

اجنبی رہنے دے مجھ کو، مجھے اپنا نہ بنا

میری خاطر یہ محل اور یہ محراب نہ چھوڑ

خواب گاہوں کے مسرت سے بھرے خواب نہ چھوڑ

روشنی چھوڑ کے آؤ گے بد سیہ خانوں میں

گلستانوں سے بھی کوئی آیا بیابانوں میں

میں تجھے کوئی نیا تاج نہیں دے سکتا

کل تو کل ہے میں تجھے آج نہیں دے سکتا

اجنبی رہنے دے مجھ کو، مجھے اپنا نہ بنا

اس کی موت

غم زدہ تھی حیات پچھلے پہر
خوب روئی تھی رات پچھلے پہر
اٹھ گیا کون اس جہاں سے آج
غش میں تھی کائنات پچھلے پہر

نظاروں نے بھی سرنگوں کر دیئے
بہاروں نے بھی سرنگوں کر دیئے
یہ کون اٹھ گیا حسن کی بزم سے
ستاروں نے بھی سرنگوں کر دیئے

تیرگی نے چھپا دیا سورج

آسماں ہے کہ کوئی فاتحہ خواں

چاند تارے ہوئے ہیں داغِ دل

یہ جہاں ہے کہ کوئی فاتحہ خواں

نقشِ پا

ابھری سحر کی گرد سے سورج کی روشنی

پھیلے قریب و دور نظارے چناروں کے

کون آ گیا ہے وقت کی دیوار پھاند کر

وادی میں گیت گونج اٹھے آبشاروں کے

•

ٹیس اٹھنے لگی درد ہونے لگا

دل تڑپ اٹھا لمحوں کی رعنائی میں

گیسوؤں سے صبا چھیڑ کرنے لگی

کس کا تخیل ہے میری تنہائی میں

سو گیا تھا ابھی درد پھر جاگ اٹھا

یاد کی وادی میں کھو گیا، دل مرا!

آگ جو تھی دبی جگمگانے لگی

کس کی آواز کی پھیلی ہے، روشنی

زرّے زرّے کے چہرے پہ اِک نور تھا

دیکھتا تھا جسے وہ ہی مسرور تھا

میں اٹھا اور بے سوچے چلنے لگا

ہر قدم پر چراغ ایک جلنے لگا

گرد تاروں کی پاؤں پہ جمنے لگی

درد کی ندّی بہہ بہہ کے تھمنے لگی

گیت اُگتے گئے گیت چنتا گیا

جال یادوں کے تیری میں بُنتا گیا

کارواں رُک گئے کارواں چل پڑے

آسماں رُک گئے آسماں چل پڑے

ڈھونڈتا ہی رہا میں ترے نقشِ پا کو

ملاقات

تم سے تو ملاقات کہیں پہلے ہوئی ہے

رات کے خوابوں میں یا دن کے خیالوں میں کہیں
تاروں کی چھاؤں کے رنگین اجالوں میں کہیں
شامِ کالج میں کہیں صبحِ جوانی میں کہیں
گیت کی دُھن میں کہیں لَے کی روانی میں کہیں

میں نے تو بہت پاس سے بھی دیکھا ہے تجھ کو
آنکھوں ہی نے کیا دل نے بھی تو چاہا ہے تجھ کو
اس طور سے تو مات کہیں پہلے ہوئی ہے

تیرے کاندھے سے وہ ڈھلکا ہوا، تیرا آنچل
تیری آنکھوں میں وہ ساون کی گھٹا کا کاجل
ہر قدم ہوتی تھی رفتار بلا کا جادو
حشر لیتا تھا بلائیں وہ تھے تیرے گیسو
وہ مہکتے ہوئے غنچوں کی نزاکت تجھ میں
وہ بہاروں کے تصور کی سی رنگت تجھ میں

ہر ایک ادا میں تھا۔ یہی رنگ۔ یہی ناز
بدلا نہیں ہے آج بھی تیرا کوئی انداز
یہ حسن کی برسات کہیں پہلے ہوئی ہے
ہاں یاد کو اک شام کی یاد آتی ہے اب بھی
گذرے ہوئے لمحات کو دہراتی ہے اب بھی
اُس شام کو میں تیرے جنم دن پہ گیا تھا
ساجن سے ملو، سکھیوں سے تو نے یہ کہا تھا
ان ابرو و گیسو سے فضا ایسی بنی تھی
تیرے لبِ نازک سے غزل میری چھنی تھی

موسم نے بھی طوفان بنایا تھا غزل کو
میں دیکھتا تھا اپنے نئے تاج محل کو
دل کہتا ہے یہ رات کہیں پہلے ہوئی ہے
تم سے تو ملاقات کہیں پہلے ہوئی ہے

میری غزل

رات بڑھ سی گئی پو ٹھہر سی گئی
صبح کا تارا جلوہ کناں تھا ابھی

اپنے بستر سے اٹھنے نہیں پایا تھا
ایک سیلاب لہرا گیا درد کا

ہو گیا تھا زمانہ کہے یہ غزل
ایک اک کر کے سب شعر یاد آ گئے

دل تو دل روح تک کو بھی برمل گئے
میرے تخیل کا رُخ بدلنے لگا

کارواں راہ بے راہ چلنے لگا

زندگی غم بنی تھی اسی موڑ سے
تیرہ بختی بڑھی تھی اسی موڑ سے

یہ اذیت جبھی سے ہے آزارِ جاں
میں کہاں اب وہ دورِ تمنّا کہاں

رات شاید غزل تم سناتی رہیں
کوئی پیتا رہا تم پلاتی رہیں
یہ غزل تھی، تمہیں دل پسند اس قدر
تم سناتی رہیں مجھ کو شام و سحر
گاہ تنہائی میں گنگناتی ہو تم
گاہ ساجن کو اپنے سناتی ہو تم
یہ غزل، میری تیری خوشی کی غزل
اب کہاں ہے کسی زندگی کی غزل
پھر بھی یہ آج تک تم کو مرغوب ہے
میں نہیں ہوں مگر یہ تو محبوب ہے

یہ غزل تھی تمہیں کیوں پسند اس قدر
تم سناتی تھیں کیوں مجھ کو شام و سحر

آج کی رات

رات آتے ہی مجھے خود سے بھی ڈر لگتا ہے
ایک عالم سے ہُوا کرتی ہے وحشت مجھ کو
خود سے کیا سائے سے بھی ہوتی ہے نفرت مجھ کو
تیرگی بڑھتی ہے، اور روح پہ چھا جاتی ہے
لیکن ایسے میں دبے پاؤں تو آجاتی ہے

روز آتی ہے تخیّل کے حسیں سایے میں
جان پڑ جاتی ہے ہر ایک حزیں سایے میں
جاگ جاتا ہے گھڑی بھر کو شبستاں کا سہاگ
گونجنے لگتا ہے پازیب کی جھنکار کا راگ
میرے رانگ انگ کو ملتا ہے مسرّت کا رباب
غم کے افسانے مجھے ہوتے ہیں بھولے ہوئے خواب

بات بھی کرتی نہیں اور بچھڑ جاتی ہے
میری قسمت کی طرح روز بگڑ جاتی ہے

آج کی رات بھی شاید یہی عالم ہو گا
لمحہ بھر خوش رہوں گا پھر وہی ماتم ہو گا
آج کی رات بھی دیکھوں گا اسی کا جلوہ
آج کی رات بھی گونجے گا خوشی کا نغمہ
آج کی رات بھی چھا جائے گا دل پر نشّہ
آج کی رات بھی فرقت کا ملے گا صدمہ
آج کی رات بھی تو مجھ سے بچھڑ جائے گی
آج بھی پھر میری تقدیر بگڑ جائے گی

رات آتے ہی مجھے خود سے بھی ڈر لگتا ہے

اور موڑ نے کہا

بعد مدّت چلے آے کیسے اِدھر
آج کس طرح میرا خیال آگیا
ٹھیرو، رُک جاؤ، مجھ سے بھی کچھ رشتہ ہے
کچھ دنوں کا نہیں ربط دیرینہ ہے

نقشِ پا میں تمہارے لئے بیٹھا ہوں
راز سینے میں ہے لب سیئے بیٹھا ہوں
ایسے گذرے ہو پہچانتے ہی نہیں
تم تو جیسے مجھے جانتے ہی نہیں
میں نہیں رہ گیا پہلا سا تو ہے کیا
میرا ماضی تو ہے آج تک بھی میرا

رُک گیا اور کچھ سوچ کر کھو گیا
دور اپنے تصور سے بھی ہو گیا
بھولی بسری ہوئی رات یاد آگئی
بیتی باتوں کی ہر بات یاد آگئی
کس کے ہمراہ آیا تھا اِس موڑ پر
کون ساتھ اپنے لایا تھا اس موڑ پر
ہاں یہیں تیری زلفوں کا سایہ ملا
ہاں یہیں آرزوؤں کا غنچہ کِھلا
ہاں یہیں دل کی دھڑکن ہوئی تھی جواں
ہاں یہیں لب سے نغمے ہوئے تھے رواں
اب میں اس موڑ سے کیا کہوں ہاں تو بتا
پوچھتا ہے "وہ سایہ کہاں رہ گیا"

میں دوں گا تجھے نغمہ

تاروں سے حسین نغمہ
مہتاب جبیں نغمہ
گلشن کی زمیں نغمہ
جنت کا امیں نغمہ

یہ لیلےٰ کی محمل ہے
یہ قیس کی منزل ہے
یہ آئینۂ دل ہے
یہ درد کا ساحل ہے

حسنِ گل و شبنم یہ
اک پیار بھرا غم یہ
سو رنگ کا عالم یہ
ہر ایک کا ہمدم یہ

تنہائی میں پلتا ہے
تنہائی میں ڈھلتا ہے
پرچھائیں میں جلتا ہے
رعنائی میں پھلتا ہے

دُھن دیتا ہوں میں لیکن آواز اُسے تو دے
پر دیتا ہوں میں لیکن پرواز اسے تو دے
میں دے چکا بول ان کو اب ساز اسے تو دے
انجام مرے ذمّے، آغاز اسے تو دے

آ جا مری محبوبہ
میں دوں گا تجھے نغمہ

میں ہوں نغمہ سارے جگ کا

عشق کے لب پر آتا ہوں میں
حسن کے رخ پر چھاتا ہوں میں
شہنائی ہے میرا تن من
ہر گلشن ہے میرا گلشن
میں ہوں پائل کی چھن چھن میں
میں ہوں ہر دلہن کے من میں
غم کے ساگر میں امڈا ہیں
من کی گاگر میں کھنکا ہیں
ڈولی مجھ سے برہا مجھ سے
جیون کا ہر جلوہ مجھ سے
مجھ کو زلفیں جھولا جھلائیں
مجھ کو ان کی آنکھیں گائیں

ہر جا ہے رسوائی میری

سب نے دولت پائی میری

ہیر کی تانوں میں سُر میرا

ہر اک دل میں میرا ڈیرا

اُن کے جوڑے کا ہوں پھول

اُن کے قدموں کی ہوں دھول

رہتا ہوں آواز کے اندر

لے ہے میری ساز کے اندر

مجھ میں سارا جگ ہے یارو

میرا ہر جا یگ ہے یارو

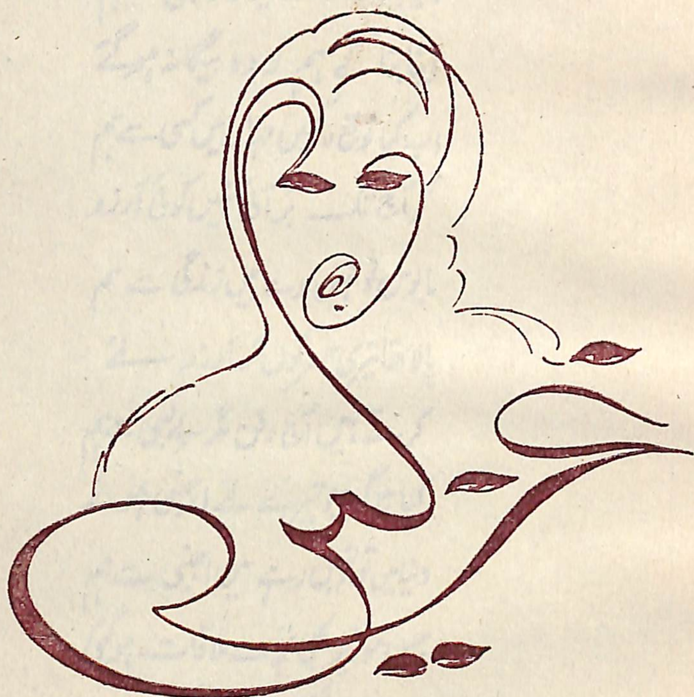
سیتا ہوں ساوتری ہوں میں

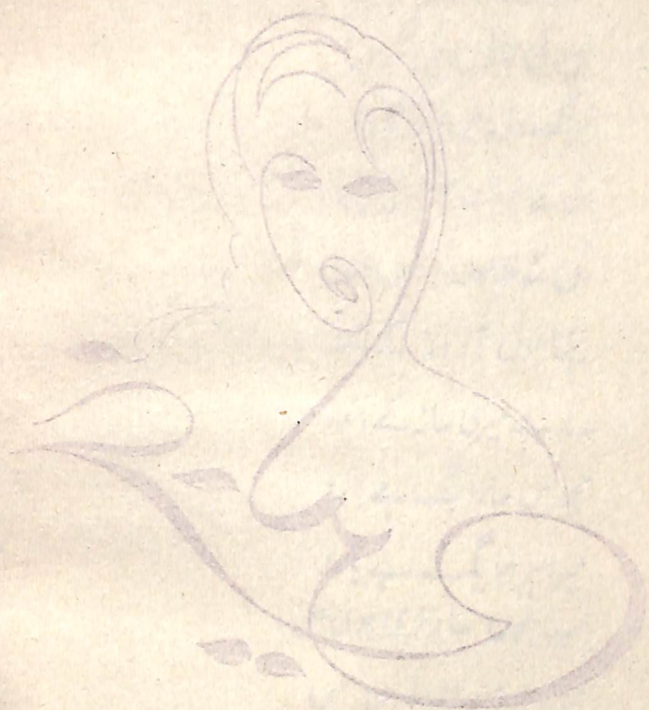
میراں سی کاونتری ہوں میں

میں رادھا کا جوبن بھی ہوں

میں گوکل کا مدھوبن بھی ہوں

میں ہوں نغمہ سارے جگ کا





(ساحر لدھیانوی کی نذر)

مانا کہ آشنا نہیں تیری خوشی سے ہم

امیدِ لطف رکھتے ہیں لیکن تجھی سے ہم

اپنا بنا کے ہم کو وہ بیگانہ ہو گئے

اب کیا توقع رکھیں جہاں میں کسی سے ہم

گو آج تک بر آئی نہیں کوئی آرزو

مایوس تو نہیں ہوئے ہیں زندگی سے ہم

پالا تھا تیری حسرتوں کو آرزو سے

کرتے ہیں آج دفن مگر بے بسی سے ہم

کیا ہو گیا جو تیرے لئے اجنبی ہوئے

دنیا میں تو نہیں رہے ہیں اجنبی سے ہم

جس موڑ پہ کبھی تجھ سے ملاقات ہو گئی

اس موڑ پہ نکلتے رہے تیرگی سے ہم

ترکِ تعلقات کا پہلو نکل نہ آئے

رہتے ہیں اپنے ساتھ بھی بیگانگی سے ہم

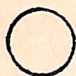


جیون کی منزل دور ہوئی، قسمت کے سہارے ٹوٹ گئے
اک تم نے ہم کو گیا چھوڑ، سب دوست ہمارے چھوٹ گئے

لو ابر اٹھا، بجلی چمکی، بادل گرجا، برسات ہوئی
گلشن سے دیکھتے دیکھتے ہی طوفان نظارے ٹوٹ گئے

اُف تیرے جلوؤں کا عالم، اک عالم تھا اک عالم سا
گیسو کے بکھرتے چہرے پر گل چاند ستارے ٹوٹ گئے

کتنا ہی اس دنیا سے چھپو، کتنا ہی غیر بنو ہم سے
کیا یوں بھی سفینے ڈوب گئے کیا یوں بھی کنارے ٹوٹ گئے



سن لے تشنہ لبوں کی صدا ساقیا
ہم سے رندوں کا تو ہے خدا ساقیا
دورِ مے سے کھلا دے دلوں کے چمن
ایک عالم کو جنت بنا ساقیا
ابر آ جائے گا رنگ لہرائے گا
ہاں پلا ساقیا، ہاں پلا ساقیا
تجھ کو تیرے رخ و زلف کا واسطہ
دے مجھے میرے غم کی دوا ساقیا



بہاروں کی ادائیں بھی تمہارا نام لیتی ہیں
گلستاں کی فضائیں بھی تمہارا نام لیتی ہیں

ستارے، کہکشاں، یہ چاندنی یہ چاندنی کا رقص
یہ نورانی گھٹائیں بھی تمہارا نام لیتی ہیں

نفس کی موج میں بھی ہے تمہارے حسن کا پرتو
تمنا کی صدائیں بھی تمہارا نام لیتی ہیں

جہاں ہم نے بہائے تھے تمہاری یاد میں آنسو
وہاں اب تک ہوائیں بھی تمہارا نام لیتی ہیں



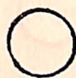
تیرے گیسو ترے رخسار سے آنچ آتی ہے
زندگی مجھ کو ترے پیار سے آنچ آتی ہے

تیرے ماضی کے دیئے آج بھی لو دیتے ہیں
آج تک مجھ کو شبِ تار سے آنچ آتی ہے

سوئے ہیں آج بھی ہر موڑ پہ قدموں کے نشاں
آج بھی وادیٔ پرخار سے آنچ آتی ہے

پوچھئے ملتا ہے دل کو تری آنکھوں کا خمار
شام کو زلفِ طرحدار سے آنچ آتی ہے

وصل کی شام، جدائی کی سحر، درد کی رات
ہر نفس کوچۂ دلدار سے آنچ آتی ہے



اداس اداس ہے شام اب قریب آجاؤ

پڑا ہے خالی مرا جام اب قریب آجاؤ

بہار آگئی، غنچے کھلے، چمن مہکا

تمہارا لب پہ ہے نام اب قریب آجاؤ

تمہاری زلف کے سائے کو میں کبھی چھوؤں گا

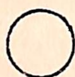
مری کبھی دھوپ بنے شام اب قریب آجاؤ

شباب پر ہے چنبیلی کی بیل کا جوبن

بلا رہے ہیں در و بام اب قریب آجاؤ

کراہ اٹھے نہ دل زندگی کے بوجھ تلے

جہاں ہے غم کا مقام اب قریب آجاؤ



خیالِ گردشِ دوراں بھلا کے نکلا ہوں
ترا جمال نظر میں بسا کے نکلا ہوں

شفق کا رنگ بہاروں کا حسن ہے ہمراہ
جنوں کی منزلوں میں مسکرا کے نکلا ہوں

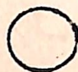
یقین ہو، کیسے کہ آئی ہے گلستاں میں بہار
ابھی ابھی تو نشیمن جلا کے نکلا ہوں

وفا ملے نہ ملے، کوئی گل کھلے نہ کھلے
تمہارے کوچے میں ہستی مٹا کے نکلا ہوں

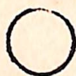
اٹھائیں پردے جنہیں زعم ہے جمالوں کا
میں آفتاب سے آنکھیں ملا کے نکلا ہوں



کیوں نہ دل اور داغ دار کروں
کس لئے حسرتیں شمار کروں
میرے محبوب اب میں تیرے بغیر
کیا بہاروں کا انتظار کروں
یاد ان کی ہے زندگی صابرؔ
ہو سکے تو اسے شرار کروں



ہر شے میں اپنا حسن بسا کر چلے گئے
دنیا کو لاجواب بنا کر چلے گئے
اے گردشِ زمانہ بتا اب میں کیا کروں؟
وہ بھی تو میری خاک اڑا کر چلے گئے
وہ آئے تھے وہ آئے ہیں اور پھر بھی آئیں گے
یہ وہم تھا کب آئے کب آکر چلے گئے
صابرؔ گذشتہ دور کے وہ مجھے بھول جا
وہ چند لمحے تجھ پہ جو چھا کر چلے گئے



وقت کیا ہو سکے تو وقت کی رفتار بدل

ہاں، زمانے کے ہر اک طور سے اطوار بدل

ساقیٔ وقت بدلنا ہے، بدل فطرت کو

خم نہ پیمانہ بدل، بادہ نہ میخوار بدل

یہ نہ کہہ قافلے کے پیر و جواں کچھ بھی نہیں

عشق کے ایک نئے درد سے کردار بدل

کچھ نئے طور سے آغاز کر، افسانۂ غم

راہرو، اپنی تمناؤں کا پندار بدل

چھیڑنا ہے نئے عنواں سے جنوں کا نغمہ

لَے بدلتی ہے تو اس ساز کا ہر تار بدل



ڈوب کے درد کے عالم میں ابھاریں گے تمہیں

دل کے آئینے میں ہر طور اتاریں گے تمہیں

خواب میں آ کے کبھی یوں نہ پکارو ہم کو

عمر بھر ورنہ جہاں ہوں گے پکاریں گے تمہیں

سنتے ہیں کھوئی ہوئی چیز نہیں ملتی ہے

اپنے ہر ایک تصور میں نکھاریں گے تمہیں

کاش ہو جائے ملاقات کسی دن تم سے

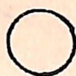
رنگ و نکہت کی بہاروں سے سنواریں گے تمہیں

تم چلے آؤ گے، تم کو چلا آنا ہوگا

واسطہ دے کے تمہارا جو پکاریں گے تمہیں



رنگ بخشا عجب بہاروں کو
کون جانے، ترے اشاروں کو
سونپ ڈالی ہے میں نے غم کو حیات
ہر طرح آزما کے یاروں کو
تیری پازیب جب کبھی چھنکی
مل گئے جام بادہ خواروں کو
تیری منزل قریب ہے صاحب
پھر بلاوا مِلا کناروں کو



ساغر کی ہستی مٹتی ہے پیمانے لبالب رہتے ہیں
جب اپنی سمندر آنکھوں سے اک جام مجھے تم دیتے ہو

رہ رہ کے بدلنا تیور کا دل جوڑا کبھی دل توڑا کبھی
پیغامِ محبت محفل میں گمنام مجھے تم دیتے ہو

پھر بام پہ آنچل لہرایا پھر دھوپ ڈھلی دیواروں تک
پھر اپنی بساطِ عالم سے اک شام مجھے تم دیتے ہو

میں اپنا مقدر سمجھا ہوں جو رات ڈھلی جو دن ابھرا
کہتے ہیں دنیا والے مگر الزام مجھے تم دیتے ہو



خوابوں سے نہ جاؤ کہ ابھی رات بہت ہے

ہر رنگ سے آؤ کہ ابھی رات بہت ہے

ٹھہرو ذرا کچھ تو ملے تسکیں مرے دل کو

مت شمع بجھاؤ کہ ابھی رات بہت ہے

کب پو پھٹے کب رات کٹے، کون یہ جانے

اے ساقیو! جاؤ، کہ ابھی رات بہت ہے

رہنے دو، ابھی چاند سا چہرہ مرے آگے

مے اور پلاؤ، کہ ابھی رات بہت ہے

وہ آتے نہیں تم تو نہ جاؤ اے ستارو

کچھ جاگو جگاؤ کہ ابھی رات بہت ہے



کٹی ہے، وقت سے پہلے بھی کوئی رات کہیں

دمک دمک کے ستارو! مجھے فریب نہ دو

خزاں ہی راس ہے مجھ کو خزاں سے کیا بھاگوں

اے چار دن کی بہارو! مجھے فریب نہ دو

گذار لوں گا میں جیسے بھی رات گذرے گی

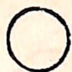
اے صبح نو کے سہارو! مجھے فریب نہ دو

ملیں گے تم میں کہاں میری منزلوں کے نشاں

چمن کی راہ گذارو! مجھے فریب نہ دو

اسی کا روپ، اسی کی جھلک، اسی کا جمال

بدل کے بھیس نظارو! مجھے فریب نہ دو

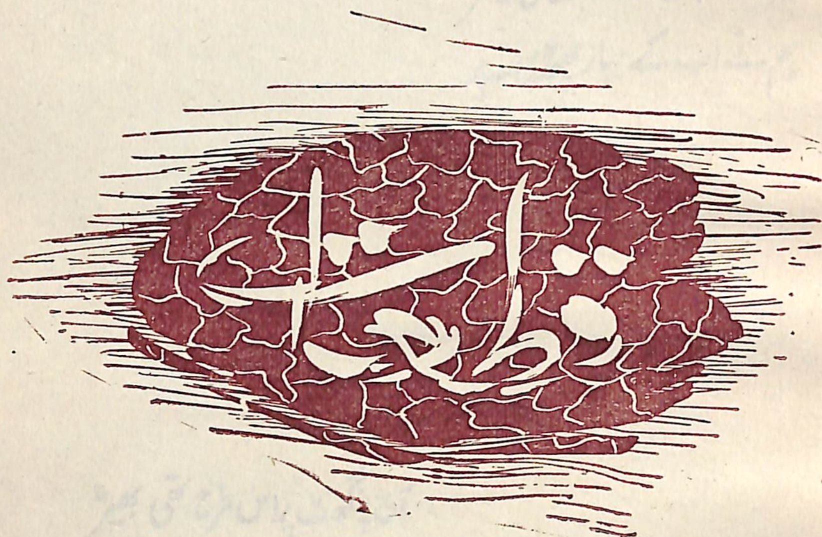


کچھ اور خواب دکھاؤ کہ سو چکے ہیں ہم
مگر ہمیں نہ جگاؤ کہ سو چکے ہیں ہم

نہ چھاؤ، ہم پہ، نہ محوِ فغاں کرو، ہم کو
کسی کی زلف کے ساؤ کہ سو چکے ہیں ہم

تڑپ اٹھیں گے جو اس وقت نیند اکھڑے گی
ہمیں نہ اور ستاؤ کہ سو چکے ہیں ہم

اگر وہ سو گئے ہیں تو ہمیں بھی سونے دو
وہیں رہو، اے ہواؤ کہ سو چکے ہیں ہم





ہہہ یوں زندگی کی موڑی ہے
پریت ساون سے ہم نے توڑی ہے
تیرے آنچل کے سائے کی خاطر
ہم نے اب کے بہار چھوڑی ہے

آج پنگھٹ پر اس طرح تھی بھیڑ
لڑکیوں کا تھا ہر طرف ریلا
ایک آتی تھی ایک جاتی تھی
جیسے ساون میں تیج کا میلا

کیف سے رات جھومتی ہے جب
اس طرح کوئی یاد آتا ہے
جیسے پچھلے پہر بیاباں میں
کوئی دیوانہ ہیر گاتا ہے

دن ڈھلے اک حسین دلہن یوں
اپنے جوڑے کا ہار بنتی ہے
بعد بارش کے جیسے کھیتوں میں
کوئی الھڑ کپاس چنتی ہے

وہ سرِ شام بام پر آئے
اور پورب کو اپنا منہ موڑا
دیکھ کر ان کو اِک ابھاگن نے
ست نرائن کے برت کو توڑا

پورنما کی حسین رات میں یوں
چکوی چکوے کو چھوڑ دیتی ہے
اک دلہن جیسے بیوہ ہونے پر
چوڑیاں اپنی پھوڑ دیتی ہے

آری سکھی، میں تجھے بتاؤں
میرے بھاگ کا جاگا تارا
میری پانی کی گاگر پر
آج کسی نے کنکر مارا

سازِ دل توڑ دیا ہے ہم نے
رخِ غم موڑ دیا ہے ہم نے
تیرے ہونٹوں کے تبسم کے لئے
گلستاں چھوڑ دیا ہے ہم نے

جامِ مے میں سما گئی ہو تم
میری فطرت پہ چھا گئی ہو تم
میں کہاں جاؤں اب بھلا کے تمہیں
میرے گیتوں میں آ گئی ہو تم

سرمئی شام کا پجاری ہوں
بادہ و جام کا پجاری ہوں
ابرِ مے خانہ بار کی سوگند
میں ترے نام کا پجاری ہوں

ہر طرف کھیت لہلہاتے ہیں
فصل پھولی پھلی ہوئی ہے خوب
الھڑوں کے منڈیروں پر میلے
آ، چلیں ہم بھی اے مرے محبوب

رات بھر دیکھتا ہوں راہ تری
رات بھر جام پیتا رہتا ہوں
تو نہیں آتا رات بھر لیکن
رات بھر مرتا جیتا رہتا ہوں

چاہے چھاؤں ہمیں ملے نہ ملے
زلف کا احترام کرتے ہیں
بیتتا ہے ترے خیال میں دن
یادِ گیسو میں شام کرتے ہیں

رجنی آنچل سمیٹتی ہے جب
نور جب ہر طرف بکھرتا ہے
صبح کا حسن تیرے چہرے کو
دیکھ کر اور بھی نکھرتا ہے

توڑی ہیں ہم نے آج بھی کلیاں ترے لئے
دامن ہمارے آج بھی ہر خار سے الجھے
یہ وقت کا ستم ہے کہ ہم تجھ سے دور ہیں
یوں تو ہم آج بھی گل و گلنار سے الجھے

ساغرِ جم خریدا ہے میں نے
دیدۂ نم خریدا ہے میں نے
بیچ کر ہیں نے سب کی سب خوشیاں
آپ کا غم خریدا ہے میں نے

رات کے پاس چاند تارے ہیں
صبح رکھتی ہے اوس کے موتی
تم بھی ہوتے اگر ہمارے پاس
زندگی یوں اداس کیوں ہوتی

رنگِ ایّام لے کے پیتے ہیں
جلوۂ شام لے کے پیتے ہیں
لوگ پیتے ہیں جام ٹکرا کے
ہم ترا نام لے کے پیتے ہیں

جلوہ تھا یا حجاب کے تھے پھول
حُسن تھا یا شراب کے تھے پھول
ہم نے کل ایک مہ جبیں دیکھی
ایسی تھی جیسے خواب کے تھے پھول

لمس ملتا ہے تیرے ہاتھوں کا
تیری زلفوں کا سایہ پاتا ہوں
چونکہ رکھتی ہے رات تیرا وجود
رات کے پاس روز جاتا ہوں

یہ غلطیاں بنالی جائیں

صفحہ	سطر	غلط	درست	صفحہ	سطر	غلط	درست
۱۳	صفحہ نمبر	۳۷	۱۳	۳۶	دوسری	دھلتا	ڈھلتا
″	پہلی	سکا	سکتے	۳۷	صفحہ نمبر	۱۳	۳۷
۱۴	صفحہ نمبر	۳۸	۱۴	″	دسویں	حلوہ	جلوہ
″	پانچویں	ہے	رہے	۳۸	صفحہ نمبر	۱۴	۳۸
″	آٹھویں	ہیں	کیوں	″	دسویں	یگ	پگ
۱۶	آٹھویں	اپنی	اپنی	۳۹	صفحہ نمبر	۴۰	۳۹
۱۸	پانچویں	ہ	یہ	۴۰	صفحہ نمبر	۳۹	۴۰
″	تیرھویں چودھویں	آتا	آیا	″	پہلی	منزل	منزل
۲۱	پانچویں	گلستانوں	گلستاں	″	دوسری	چھوڑ	چھوڑا
″	چھٹویں	ہیں	نہیں	″	چوتھی	ٹوٹ	لوٹ
۲۵	چوتھی	چلنے	چلنے	″	ساتویں	ے	سے
″	گیارہویں	نقشِ پاکو	نقشِ پا	۴۳	تیسری	تیرے	میرے
۳۲	دسویں	میری	مری	″	″	میں	ہیں
۳۳	پہلی	آے	آئے	″	چھٹویں	وادی	وادیٔ
″	دسویں	میرا	مرا	۴۵	پانچویں	یقین	یقیں
				۵۵	ساتویں	آتی	آتی
				۶۱	چوتھی	یاد	یاد